تعلیمی ادارے کا کردار

طارق سہیل مرزا

کچھ عرصہ ہوا میں اپنے ایک دوست سے ملنے اس کی فیکٹری میں گیا جہاں مشینوں میں ایک طرف خام مال یعنی آٹا ڈالا جار ہا تھا اور دوسری طرف سے تیار بسکٹ نکل رہے تھے جو ایک ہی شکل، ایک ہی ذائقے اور ایک ہی رنگ کے تھے۔ میرا دوست کہنے لگا کہ میری طرح آپ بھی ایک فیکٹری کے مالک ہیں جہاں آپ کو تین چار سال کے بچوں کی شکل میں خام مال دیا جاتا ہے اور دس بارہ سال میں آپ کی پروڈکٹ (product) تیار ہوتی ہے۔ آپ کی اور میری فیکٹری میں فرق یہ ہے کہ میری فیکٹری میں بالکل ویسا ہی پروڈکٹ مجھے تیار ملتا ہے جیسا میرا تصور ہے۔ یہ ایک مکمل آٹومیٹک پلانٹ ہے۔ آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ اپنی سوچ کے مطابق فیکٹری نہیں لگا سکے۔ اس لیے آپ کی پروڈکٹ بھی آپ کے تصورات کے مطابق نہیں۔ اسی لیے معاشرے کی تعمیر بھی آپ کے تصور کے مطابق نہیں ہو رہی۔ کیونکہ جیسی تعلیم ہوگی، ویسے افراد ہوں گے، جیسے افراد ہوں گے ویسا معاشرہ ہوگا۔ میں نے کہا کہ تعلیم میں آٹو میشن نہیں ہو سکتی۔ آپ کا خام مال بے جان مادہ ہے جو نہ محسوس کرتا ہے نہ ردعمل (response) دیتا ہے۔ لیکن مدرسے کا طالب علم محسوس کرتا ہے، وہ سوچتا ہے، وہ ردعمل دیتا ہے۔ بھلا مدرسے میں آٹو میشن کیسے ہو سکتی ہے۔

جب میں فیکٹری سے باہر آیا تو میں سوچنے لگا کہ کیا مغرب نے اپنی فیکٹریوں کی طرح اپنے مدرسوں میں بھی آٹو میشن حاصل نہیں کر لی۔ کیا ٹکسال کے سکوں کی طرح ان کی پروڈکٹ ایک جیسی نہیں؟ کیا وہ ایک تصورِ حیات پر ایمان نہیں رکھتے؟ کیا وہ اپنی تہذیب کا نمونہ نہیں؟ ہمارے بہترین دماغ جو ان کے اداروں میں گئے، ان کی اکثریت کو ان اداروں نے اپنی آنکھیں، اپنے کان، حتیٰ کہ سوچ تک نہیں دے دی؟ آخر آٹو میشن اور کیا ہے؟

مغرب نے اپنی تہذیب کی شیطانی ڈور سے اپنے معاشرے کو باندھ دیا ہے۔ ہر آنے والے بچے کے گرد وہ ڈور بندھ جاتی ہے۔ یہ نظریات کی رسی، یہ تہذیب کی ڈور کون تیار کر رہا ہے۔ کون بڑی مہارت کے ساتھ اس رسی کے گرد معاشرے کی تعمیر کر رہا ہے۔ اس فیکٹری کا نام کیا ہے؟ اس کا نام ہے تعلیمی ادارہ۔

اب اپنے معاشرے کو دیکھیے، جس رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہمیں تھا، جس رسی کے گرد معاشرے کی تعمیر ہمیں کرنا تھی، وہ کہاں ہے؟ جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کو ورثے میں مکان

اور دوکان منتقل کرتا ہے، اسی طرح ایک نسل اپنی آنے والی نسل کو اپنے نظریات، اپنے افکار اور اپنی مہارتیں مدرسہ میں منتقل کرتی ہے۔ منتقلی کے اس عمل میں تصورات اور مہارتیں مزید بہتر ہوتی ہیں۔ وہ وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھلتے ہیں، اور دوسری نسل پہلی نسل سے زیادہ مضبوط و توانا ہو کر باہر نکلتی ہے۔

تعلیمی ادارہ ایک آبشار کی طرح ہے جس سے معاشرہ ایک دریا کی طرح سے رواں ہے۔ مدرسے سے تازہ پانی معاشرے کے دریا میں ہر آن شامل ہوتا رہتا ہے جو اسے تروتازہ رکھتا ہے اور اسے جوہڑ بننے نہیں دیتا۔ مدرسہ ایک آبشار ہی نہیں دریا کے دو کنارے بھی ہیں جو دریا کو اپنی حدود میں رکھتے ہیں۔ جس سے دریا رواں بھی رہتا ہے اور اپنی سمت بھی نہیں کھوتا۔ جب دریا اپنی حدود کے اندر بہے گا تو وہ اپنی طاقت کو قائم رکھے گا۔ دریا کی حدود اس کے کنارے ہیں اور معاشرے کی حدود اس کے نظریات حیات۔ دریا کے کناروں سے باہر بہنے والا پانی اپنی سمت اور قوت دونوں کھو دیتا ہے۔ اسی طرح اپنے نظریہ حیات سے باہر نکلنے والا فرد اور معاشرہ بکھر جاتا ہے۔

جس طرح پہلے دن ماں کے دودھ سے بچے کی جسمانی نشو و نما کا آغاز ہو جاتا ہے اسی طرح بچے کے کان میں اذان دینے سے روح کی غذا کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اللہ اکبر سے تصور حیات (concepts) دینے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ کان میں اذان دینے سے بچے کا مسلم معاشرے میں ایڈمشن ہو جاتا ہے۔ تصور حیات کے دریا کو اذان کے کوزے میں بند کیا گیا ہے۔

مدرسہ بذات خود ایک نہایت اہم اور حساس ادارہ ہے۔ تمام اہل الرائے کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کی داستان ان کے تعلیمی اداروں اور درسگاہوں میں ہی لکھی جاتی ہے۔ تعلیمی ادارہ معاشرے کا دل ہے۔ یہ درست ہو گا تو تمام شعبہ ہائے حیات درست ہوں گے اور اس کے خراب ہونے سے پورا نظام فساد اور خرابی کا شکار ہو جاتا ہے۔ تعلیمی ادارے کا آج، معاشرے کا اور کا کل ہے۔

مدرسہ ایک قدر افزا ادارہ (value added institution) ہے جو فرد کی افادیت بڑھا کر اسے معاشرے کے لیے زیادہ موثر بناتا ہے۔ صنعتی اداروں کی ریسرچ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صرف پرائمری تعلیم لیبر کی کارکردگی کو ۳۰ فی صد بڑھا دیتی ہے۔ نظریات انسان کو متحرک رکھتے ہیں۔ اسے قوت فکر و عمل دیتے ہیں۔

کیا تعلیمی ادارہ صرف آگے لے جانے والی قوت (driving force) ہی ہے؟
تعلیمی ادارہ ایک جوڑنے والی طاقت (binding force) بھی ہے۔

ہم کسی مسئلے پر سوچیں، ہم کوئی بھی عمل کریں، یہ فکر و عمل کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ وقوع

پذیر ہو' بنیادی تصورات کے ایک ہونے سے اس فکر و عمل کی روح ایک ہوگی ۔ بنیادی تصورات کی یکسانیت معاشرے کو جوڑ کر رکھتی ہے' اس میں تفرقے کو روکتی ہے ۔ تعلیمی ادارہ معاشرے کی روح عصر کی تشکیل کرتا ہے ۔ بلکہ تعلیمی ادارہ ہی معاشرے کی روح عصر ہوتا ہے ۔ وہ کیسے؟

کچھ چیزیں ایسی ہیں جنھیں ہم ادارے کی ظاہری شان و شوکت (cosmetices) میں شمار کر سکتے ہیں ۔ جیسے کسی سکول کا فرنیچر اچھا ہے' اس کی بلڈنگ اچھی ہے' اس کا یونیفارم خوبصورت ہے وغیرہ جبکہ تعلیمی ادارے کی اصل روح میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں (۱) بنیادی تصورات حیات ۔ (۲) مہارتیں ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو مدرسے کی ساکھ (credibility) کا تعین کرتی ہے؟ جب تصورات حیات اور مہارتیں جمع ہوتی ہیں تو اس تعلیمی ادارے کی ساکھ بنتی ہے ۔ یہی ساکھ روح عصر ہوتی ہے ۔ دوسری طرف یہی ساکھ معاشرے کی قوت نمو ہوتی ہے ۔

تعلیمی ادارے کی ساکھ معاشرے کے مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے' اس کی قوت اور وزن میں اضافہ کرتی ہے ۔ ایک معاشرہ جس کے پاس کوئی تصور حیات نہ ہو' جو کوئی مہارت نہ رکھتا ہو' اپنی قوت نمو کھو دیتا ہے ۔ وہ اپنے وزن سے محروم ہو جاتا ہے' اس کی طاقت ختم ہو جاتی ہے ۔ وہ معاشرہ مردہ ہو جاتا ہے ۔

تعلیمی ادارے کی ساکھ کا رول کیا ہے؟ تعلیمی ادارے کی ساکھ سکول کی چار دیواری سے نکل کر گلی محلے تک آتی ہے پھر شہر میں اس کی شہرت ہوتی ہے ۔ اگر تعلیمی ادارے کے بنیادی تصورات حیات اور مہارتوں میں قوت ہوتی ہے تو وہ اپنے معاشرے سے نکل کر دوسرے معاشروں پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ تعلیمی ادارے اس معاشرے کی پہچان بن جاتے ہیں ۔ جیسے مسلم دور کے ہسپانیہ کے مدرسے پورے یورپ پر اثر انداز ہوئے ۔ جیسے آج کے دور کے یورپ اور امریکہ کے تعلیمی ادارے پوری دنیا کو متاثر کر رہے ہیں ۔ وہ اپنے تصورات حیات کو اپنی مہارتوں کی مدد سے پوری دنیا پر لاگو کر رہے ہیں ۔ ان کے تعلیمی اداروں نے دوسرے معاشروں کے تصورات حیات کو تلپٹ کر دیا ہے ۔ جب معاشرہ اپنے تصورات حیات کے بہترین اور صحیح ہونے پر اپنا یقین کھو دے تو معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جاتی ہے ۔ افراد کی قوت عمل متاثر ہوتی ہے اور معاشرہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جس کا ہم اپنے معاشرے میں مشاہدہ کر سکتے ہیں ۔ اگر دوسرے معاشروں سے آنے والے تصورات اپنے ساتھ مہارتوں کی قوت بھی رکھتے ہوں تو ان کے اثرات حیرت انگیز طور پر بڑھ جاتے ہیں ۔ مغربی تہذیب اتنی طاقتور کیوں ہے؟ اس کی وجہ اس کا تعلیمی ادارہ ہے ۔ جس نے مہارتوں کو تصورات کے تابع کر دیا ہے ۔ یہی اس کے تعلیمی ادارے کا کمال اور طاقت ہے اور یہی ہمارے مدرسے

کا زوال اور کمزوری۔

مغرب کی تمام مہارتوں میں اور ان مہارتوں کے اطلاق اور استعمال میں اس کے بنیادی تصورات رچے بسے ہیں۔ ہم اپنے تصورات کو مہارتوں کے اندرون تک نہیں پہنچا سکے۔ یہ ہماری بنیادی کمزوری ہے۔ اس وقت ہمارا معاشرہ مغرب کے ان دونوں ہتھیاروں کا بیک وقت شکار ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کے تصورات بودے ہیں، ناقص ہیں بلکہ غلط ہیں لیکن کیا چیز ہے جو ان خلاف فطرت تصورات کو اتنا مضبوط بنا رہی ہے کہ وہ پورے کے پورے معاشرے تسخیر کر رہے ہیں۔ دراصل مہارتیں وسائل مہیا کرتی ہیں، مہارتیں قوت دیتی ہیں بلکہ مہارتیں بذات خود قوت ہیں۔ انھوں نے اپنے تصورات حیات کی کمزوری کو اپنی مہارتوں کی برتری سے پورا کر دیا ہے۔ ان دونوں قوتوں کا مجموعہ ہے مغربی تہذیب، مغربی معاشرہ اور یقیناً مغرب کا تعلیمی ادارہ۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک تعلیمی ادارہ دوسرے تعلیمی ادارے پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ مغرب کا تعلیمی ادارہ ہمارے تعلیمی ادارے پر غالب آ رہا ہے۔ ہمارا تعلیمی ادارہ، ہمارا تعلیمی ادارہ نہیں رہا، وہ مغرب کا مدرسہ بن رہا ہے، ٹوٹ رہا ہے۔ ایک تعلیمی ادارہ اپنے تصورات حیات کے مطابق اپنی تمام تر مہارتوں اور وسائل کے ساتھ ایک نئی دنیا تعمیر کر رہا ہے۔ ایک تعلیمی ادارہ اپنی ساکھ کے باعث اپنے معاشرے سے نکل کر دوسرے معاشروں کی تعمیر و تشکیل اپنے ڈھب سے کر رہا ہے۔ انھوں نے مدرسے کو نئی صورت دی ہے جس کی مدد سے وہ اب پوری دنیا کو اپنے تصور حیات کے مطابق تعمیر کر رہے ہیں۔ اور یہ نئی صورت گری بھی ان کی مہارتوں کا نتیجہ ہے۔ جس کی بناء پر وہ ایک سپر سکول (super school) قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس سے پہلے دنیا میں کہیں ایسا نہیں ہوا تھا کہ پورے کے پورے معاشرے ایک سکول میں داخلہ لیں، جن کا نصاب ایک ہو، جن کے اہداف ایک ہوں، جن کا استاد ایک ہو، جو سال کے ۳۶۵ دن میں ایک دن بھی بند نہ ہو، جو ۲۴ گھنٹے کھلا رہے۔ کیا پہلے کبھی ایسا مدرسہ رہا ہے؟ کوئی فرد پریشان ہو یا خوش، کوئی امیر ہو یا غریب، کوئی بوڑھا ہو یا جوان، کوئی بیمار ہو یا صحت مند، عورت ہو یا مرد، سب اس سپر سکول کے طالب علم ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا پر غالب آ چکا ہے۔ اس کا کوئی مد مقابل نہیں۔ یہ تعلیمی ادارہ اپنا کوئی مقابل نہیں رکھتا اور بغیر کسی خوف و خطرے کے اپنی مرضی کے مطابق معاشروں کی تعمیر و تشکیل کر رہا ہے۔ بلکہ معاشروں کو چیر پھاڑ رہا ہے۔

اب مغرب کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ چونکہ ہم ترقی یافتہ ہیں، اس لیے ہمارا تصور حیات ہی سب سے اعلیٰ ہے۔ جب کہ ہم ان کی مہارتوں سے مرعوب ہو کر ان کے غلط تصور حیات کو اپناتے ہیں۔ آج ہم ان کی مہارتوں کو زیر و زبر کر دیں یا ان سے بہتر مہارتیں لے آئیں یا موجودہ

مہارتوں میں اپنا تصور حیات سمو دیں (ہماری بقا اسی میں ہے کہ یہ کام جلد از جلد ہو' اس تہذیب کی زندگی اس وقت تک ہے جب تک مہارتیں ان کے غلط نظریات کا بوجھ اٹھائے رکھیں گی جونھی یہ بوجھ ان کی مہارتوں کی استعداد سے بڑھا' یہ تہذیب زمین پر آگرے گی' اب یہ وقت زیادہ دور نہیں) پھر دیکھیں ان کے تصور حیات میں کتنا دم خم ہے۔ خود ان کے بڑے بڑے چمپئن اپنے نظریہ حیات کو چھوڑ دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے غلط تصور حیات کے تحت ان مہارتوں کا معاشرے میں استعمال اور اطلاق ہی دنیا کے موجودہ بگاڑ کا سبب ہے' جیسے سیٹلائٹ کی مہارت بذات خود کوئی برائی نہیں رکھتی لیکن جن تصورات کے تحت اس کا استعمال ہو رہا ہے اس سے وہ تہذیب خود بھی نقصان اٹھا رہی ہے اور دوسرے معاشروں میں بھی بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔ یہ مہارت فحاشی پھیلانے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ اسی طرح بنک کاری کی مہارت سودی نظام کے تحت معاشی استحصال اور ظلم کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئی ہے۔ اس کے دباؤ سے اقدار ٹوٹ پھوٹ رہی ہیں۔ اسی طرح دیگر مہارتیں غلط استعمال کی وجہ سے اس تہذیب کو اس کے انجام کی طرف لے جا رہی ہیں۔ بقول اقبال "تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی"۔

اگر یہی مہارتیں اسلام کے تصور حیات کے تحت استعمال کی جاتیں تو فرد کتنا پر سکون ہوتا اور معاشرہ بھی کتنا پر امن۔ ہمارے تعلیمی ادارے کی مہارتوں کی کمی نے ہمارے تصور حیات پر' جو قیامت تک کے لیے ہدایت ہے' ایمان کو متزلزل کر دیا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جس تعلیمی ادارے کا طالب علم 'تصورات کا علم رکھتا ہے اس کے پاس مہارت نہیں۔ اس لیے وہ معاشرے میں موثر نہیں۔ اور جس کے پاس مہارت ہے اس کا تصورات کا ادراک خام ہے۔

حضرت عمرؓ تصورات اور مہارت کے امتزاج کی بہترین مثال ہیں۔ آپ تصورات کی معراج پر تھے۔ دوسری طرف اگر ہم آپ کی مہارتوں کے صرف ایک پہلو یعنی ایڈمینسٹریشن کو لیں تو پھر آپ جیسا ایڈمنسٹریٹر دنیا نے نہیں دیکھا۔ فن سپہ گری میں آپ بے مثال تھے۔ مہارتوں اور تصورات کی مطابقت کا فائدہ یہ بھی ہے کہ ٹوٹی ہوئی شخصیتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

مدرسہ معاشرے کے اصل دھارے کی تشکیل کرتا ہے۔ اس کے لیے مقدار اور معیار کی ضرورت ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مومن وہ ہے جس کا آج اس کے کل سے بہتر ہے۔ تعلیمی ادارہ یہ کام کرتا ہے۔ وہ طالب علم کا آج اس کے گزرے ہوئے کل سے بہتر بناتا ہے اور آنے والے کل کے وسیع امکانات سے اسے روشناس کرواتا ہے۔ مدرسہ ایک مکمل معاشرے کا ایک چھوٹا سا نمونہ اور اس کا حقیقی آئینہ ہوتا ہے۔ کسی معاشرے کا مستقبل دیکھنا ہو تو اس کے مدرسے کا حال دیکھیے۔

مدرسے کا آج، معاشرے کا کل ہے۔

ایک بڑی اہم بات یہ ہے کہ تصورات ہمیں ترجیحات دیتے ہیں۔ مدرسہ ان تصورات کے مطابق فرد اور معاشرے کی ترجیحات کا تعین کرتا ہے۔ تعلیمی ادارے کی ترجیحات، معاشرے میں جاری وساری ہوتی ہیں۔ لیکن مدرسے کی ترجیحات، معاشرے کی ترجیحات اس وقت بنتی ہیں جب مدرسہ معاشرے سے اپنی ساکھ کو منوا چکا ہو۔ مدرسہ اپنی ساکھ سے قوت نافذہ حاصل کرتا ہے۔ پورے معاشرے میں اسے جاری کرنے کے لیے ایک اور قوت کی بھی ضرورت ہے جس کی یہ خود تشکیل کرتا ہے۔

اب عمومی رجحان یہ ہے کہ معاشرہ اس وقت تک فرد کی ساکھ تسلیم نہیں کرتا جب تک وہ کسی بیرونی تعلیمی ادارے کی ڈگری نہ لے آئے۔ اس لیے ہماری ترجیحات کا تعین بھی بیرونی مدرسہ کرتا ہے۔

مدرسہ تین طرح کے افراد مہیا کرتا ہے۔ (۱) کارکن یا عام لوگ (۲) پالیسیاں بنانے والے (۳) پالیسیاں نافذ کرنے والے۔ واشنگٹن ٹائمز کے مطابق اس وقت تقریباً ۳ لاکھ پاکستانی امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں سے جب کچھ لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے معاشرے کو لوٹتے ہیں تو وہ بیرونی تعلیمی ادارے کی سوچ اور مہارت اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ وہ تعلیمی ادرہ انھیں اہداف دیتا ہے۔ ان کی ترجیحات کا تعین کر کے بھیجتا ہے۔ جس تعلیمی ادارے سے وہ آتے ہیں اس کی ساکھ کے باعث وہ معاشرے میں پالیسیاں بنانے والے یا پالیسیاں نافذ کرنے والے کے طور پر اپنے کیریئر کا آغاز کرتے ہیں۔ اس طرح بیرونی مدرسہ اپنے معاشرے سے نکل کر ہمارے معاشرے میں قوت نافذہ حاصل کر لیتا ہے۔

انگریزوں نے ہمارے معاشروں کو قابو کرنے کے لیے اپنے قائم کردہ تعلیمی اداروں کے ذریعے ہی حکمران طبقہ پیدا کیا۔ ان کو ایک بڑی سہولت یہ حاصل تھی کہ سیاسی اقتدار ان کے پاس تھا۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے طے کیا کہ دنیاوی مناصب وعہدے صرف انھی کے لیے ہیں جو ان کے تعلیمی اداروں سے ہو کر آئیں گے۔ اس طرح انھوں نے گلی محلے کے کارکن اور کلرک سے لے کر ایوان حکومت کے بیوروکریٹس تک کا دائرہ بڑی جلدی مکمل کر لیا۔ اور یہ دائرہ آج بھی قائم ودائم ہے۔ ہمارا تعلیمی ادارہ اس دائرے کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، اس لیے کہ حکمران قوت اس کے ساتھ نہیں۔ یہ قوت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے کا ہدف استاد، طالب علم، والدین، یا معاشرہ اور حکومت کے دائرے کو مکمل کرنا ہو۔ پھر تعلیمی ادارے کی ساکھ کے ذریعے اس کی کمان تعلیمی ادارے کے ہاتھ میں ہوگی۔ تب ہمارا تعلیمی ادارہ اپنے تصورات کے مطابق

معاشرے کی تعمیر کر سکے گا۔ لیکن اگر پالیسیاں نافذ کرنے والے مغربی مدرسوں سے مہارتیں لے کر آئیں اور صرف کارکن ہمارے تعلیمی اداروں کے ہوں، تو معاشرے کی تعمیر و تشکیل بیرونی مدرسہ ہی کرے گا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب بنگال پر قبضہ کیا تو اس وقت وہاں اسی ہزار مدرسے تھے۔ اسی ہزار مدرسوں کے ہوتے ہوئے بھی ایک قوم غلام ہو سکتی ہے؟ تاریخ میں ایسا ہو چکا ہے، وہ مدرسے آخر تصورات تو دے ہی رہے تھے، وہ بر سر کار تو تھے، پھر کیا کمی تھی جو اسی ہزار تعلیمی ادارے ہزاروں میل دور کے تعلیمی ادارے کے غلام ہو گئے۔ اس کی مختلف توجیہات پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن میں اس وقت کہوں گا کہ اس کی ایک وجہ مہارتوں کی کمی اور دوسری وجہ مدرسے کے اس دائرے کا ٹوٹنا تھا جو مدرسے سے شروع ہوتا ہے اور حکمران قوت پر مکمل ہوتا ہے۔ اس دائرہ کو ٹوٹے صدیاں بیت گئیں۔ باہر والوں نے تو صرف اس خلا کو پر کیا جو مدرسے یعنی گلی محلے اور ایوان حکومت کے درمیان تھا۔ یہ دائرہ اب بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ یہ خلا اب بھی موجود ہے۔ آپ اسے محسوس کر سکتے ہیں۔ آپ اسے دیکھ سکتے ہیں۔ اب آپ کا، آپ کے مدرسے کا بڑا کام اس دائرے کو مکمل کرنا ہے۔ یعنی استاد، طلبہ، والدین یا معاشرہ اور ایوان حکومت ایک ہوں۔ ان کے تصورات ایک ہوں اور ان کو آگے لے جانے والی قوت ایک ہو، ان کو جوڑنے والی قوت ایک ہو، ان کے مفادات ایک ہوں، ان کے جذبات و محرکات کا سرچشمہ ایک ہو، ان کے احساسات ایک ہوں۔ آخر کونسا ادارہ یہ کام کرے گا۔ یہ کوئی نیا کام نہیں۔ یہ کام چودہ سو سال پہلے ہو چکا۔ عالم اسلام کی پہلی یونیورسٹی صفہ میں اصحاب صفہؓ نے اپنے معلم اعظم حضرت محمدؐ کی سرکردگی میں یہ کام کر کے دنیا کو دکھا دیا تھا۔

تعلیمی انقلاب کیا ہے؟ اس کی مختلف جہتیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن ایک بڑی جہت تصورات کا مہارتوں میں سمونا اور اس دائرے کا مکمل ہونا ہے تاکہ معاشرے کی حکمران قوت تعلیمی ادارے کی پشت پر آجائے۔ اگر کسی دوسرے ذریعے سے حکمران قوت مدرسے کی پشت پر آجاتی ہے تو وہ عمل انگیز کا کام تو کر سکتی ہے لیکن اسے اپنے آپ کو قائم رکھنے اور انقلاب کی تکمیل کے لیے اسی دائرے کو مکمل کرنا ہو گا۔ یہی تعلیمی انقلاب ہے بلکہ یہی انقلاب ہے۔

اس تعلیمی عمل کا حاصل کیا ہے؟ (اگر اسی ہزار مدرسوں کے ہوتے ہوئے ایک قوم غلام ہو سکتی ہے تو اسی لاکھ مدرسوں کے ہوتے ہوئے بھی ایسا ہو سکتا ہے)

اس کا حاصل یعنی اس تعلیمی عمل کی روح کو اگر دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ ہے حساسیت (senstivity) اور محبت۔

معاشرے کی تعمیر و ترقی میں مدرسے کا ایک انتہائی اہم کردار یہ ہے کہ وہ اپنے طلبہ میں حساسیت

پیدا کرے - جو تدریسی عمل اپنے متعلم میں یہ روح پیدا نہیں کرتا وہ عمل خام ہے - یعنی جہاں تصورات حیات کے خلاف معاشرے میں کوئی انفرادی یا اجتماعی حرکت ہو' متعلم اسے محسوس کریں' نہ صرف محسوس کریں بلکہ وہ اس وقت جہاں ہوں' کوئی سی بھی سماجی پوزیشن وہ رکھتے ہوں' اسے روکنے میں اپنا کردار ادا کریں -

وہ حساس ہوں برائی کے خلاف' وہ حساس ہوں منکرات کے خلاف' وہ حساس ہوں' نواہی کے خلاف' وہ حساس ہوں' اوامر میں سبقت لے جانے میں - وہ اپنے تصورات کی حفاظت اپنے فکر وعمل سے کرنے میں حساس ہوں جیسے گیزر یا فریج کے تھرموسٹیٹ کو درجہ حرارت میں ایک درجے کی کمی بیشی معلوم ہو جاتی ہے - اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے اب On ہونا ہے یا Off -

فرد برائیوں کے خلاف کتنا حساس ہے اور معروف پھیلانے کا اسے کتنا خیال ہے - اس حساسیت کی بنیاد صرف اور صرف ایک ہو اور وہ ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت - تصورات کا ایسا شعور جو اسے محبت بھرا احساس نہ دے' بے کار ہوگا -

فیکٹری کی طرح مدرسہ بھی اپنی پروڈکٹ کی کوالٹی چیک کر سکتا ہے - اس کا طریقہ ہے کہ اس حساسیت اور محبت کے پیمانے سے تصورات کی گہرائی اور گرفت کا اندازہ لگایا جائے - کیا ایمان اس کے علاوہ کچھ اور ہے؟ حساسیت ہوگی تو اس حدیث مبارکہ پر عمل ہوگا - کہ تم برائی کو دیکھو تو (۱) طاقت سے روکو' یہ ممکن نہ ہو تو (۲) زبان سے روکو' یہ ممکن نہ ہو تو (۳) دل سے برا جانو' یہ بھی نہ ہو تو ایمان کہاں ہے - کامیاب مدرسہ وہ ہے جو اس حساسیت کو پہلے درجے پر لے آئے - حقیقت یہ ہے کہ وہی اپنے تصورات کے مطابق معاشرے کی تعمیر و ترقی کر سکے گا -

آخر مغرب سے ہماری لڑائی کیا ہے؟

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری معاشرت' ہماری معیشت' اور ہماری سیاست غرض ہماری تمام زندگی ہمارے تصورات حیات کے مطابق ہو جائے - وہ کہتے ہیں کہ اب تہذیبوں کی جنگ ہے اور اس میں ہماری سب سے بڑی حریف اسلامی تہذیب ہے - اب یہ جنگ مدرسوں میں لڑی جائے گی - مستقبل کا میدان جنگ کلاس روم ہے - کیا ہم اپنے مدرسوں میں اس کے لیے تیار ہیں؟

اعلان جنگ کب کا ہو چکا ہے!